

## نماز کے اوقات

حضرت عمر کا خط

[۷] وحدثنی عن مالک عن عمہ ابی سہیل عن ایہ ان عمر بن

الخطاب کتب الی ابی موسیٰ: **اَنْ صَلَّ الظُّهْرَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيَضاءَ نَقِيَّةً قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَهَا صُفْرَةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاخِرَ الْعِشَاءِ مَا لَمْ تَنْمَ وَصَلَّ الصُّبْحَ وَالنَّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ وَاَقْرَأُ فِيهَا بِسُورَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ مِنَ الْمُفَصَّلِ.**

عمر بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ:

”ظہر پڑھو، جب سورج نصف النہار سے جھکے، اور عصر پڑھو، جب سورج ابھی سفید روشن ہو، زرد نہ ہوا ہو، مغرب سورج ڈوبتے ہی پڑھو، اور عشا کو اپنے سونے تک موخر کرو، صبح اس وقت پڑھو، جب ابھی ستارے خوب روشن اور باہم گتھم گتھا ہوں، فجر کی نماز میں مفصلات میں سے دو لمبی سورتیں پڑھا کرو۔“

[۸] وحدثني عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه: ان عمر بن

الخطاب كتب الى ابي موسى الاشعري ان:

صَلِّ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيَضاءَ نَقِيَّةٌ قَدَرَ مَا يَسِيرُ الرَّاکِبُ ثَلَاثَةَ فَرَاسِخَ  
وَأَنْ صَلِّ الْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ فَإِنْ أَخَّرْتَ فَإِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ،  
وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ.

عمر بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ:

”عصر اس وقت پڑھو، جب ابھی سورج روشن ہو اور زرد نہ ہوا ہو، (غروب سے) اتنا پہلے کہ ایک  
مسافر تین فرسخ فاصلہ طے کر سکے، اور عشا کو اپنے اور ایک تہائی رات کے درمیان میں پڑھ لو، اور اگر  
تاخیر کرنا چاہو تو بس آدھی رات تک، اور (نماز میں تاخیر کر کے) غافلوں میں سے نہ بنو۔“

شرح

مفہوم و مدعا

یہ دو روایتیں ہیں، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابو موسیٰ اشعری کے نام خط کا مضمون بیان ہوا ہے۔ دونوں  
میں خط کا مضمون ایک سا ہی ہے۔ ان میں اور ان سے پہلی روایت میں مذکور اعمال کے نام خط کے مضمون میں کچھ  
زیادہ فرق نہیں ہے۔ نمازوں کے اوقات ایک جیسے ہی ہیں۔

دوسرے خط میں عشا کو نصف رات تک موخر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے کہ اس کا آخری وقت سنت میں  
یہی مقرر کیا گیا ہے۔

اوقات کی تفصیل وہی ہے جو پچھلی روایتوں میں پسندیدہ اوقات کی چلی آرہی ہے۔ اس لیے یہاں ان کی  
وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

لغوی مسائل

المفصل: ہر وہ چیز جس کو اس طرح سے بنایا گیا ہو کہ اس کے اجزاء ٹکڑیوں کی صورت میں الگ الگ دکھائی دیں،

جیسے جڑاؤ ہار۔ قرآن مجید کی آخری سورتیں چونکہ بہت زیادہ اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں ہیں اور بار بار بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نگیںوں کا جڑاؤ دکھائی دیتا ہے، اس لیے قرآن کا یہ حصہ مفصل کہلاتا ہے۔ قرآن کے اس حصے کی سورتیں مفصلات کہلاتی ہیں۔ سورہ حجرات سے اختتام تک مختلف حصوں پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر کی مراد یہ ہے کہ فجر میں سورہ حجرات سے آگے کے قرآن میں سے کوئی لمبی سورتیں تلاوت کیا کرو۔

اس خط میں 'ثلاثة فراسخ' ہے، جبکہ عمال کے نام خط میں جو پیچھے گزرا 'فرسخین او ثلاثة' اندازہ سا بتانے کے لیے ہے۔ میرے خیال میں اس خط میں بھی یہ تحدید کے لیے نہیں، بلکہ اندازے و تخمین ہی کے لیے ہے۔ اور دوسرے خطوط کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس خط میں بھی دراصل 'فرسخین او ثلاثة' ہی کہنا پیش نظر تھا۔ راویوں نے اس میں حذف و اسقاط سے کام لیا ہے۔

ما بینک و بین ثلث اللیل : اس سے مراد دو باتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ 'ما بین وقتک و بین ثلث اللیل' یعنی جو تمہارا معمول کا وقت ہے، جس پر تم نماز پڑھتے ہو، اس سے لے کر ایک تہائی رات تک، اور دوسرے یہ معنی ہو سکتے ہیں 'ما بین دخولک العشاء و بین ثلث اللیل' کہ تیرے عشاء کے وقت میں داخل ہونے سے لے کر تہائی رات تک۔ یہی دوسرے معنی موقع محل کے لحاظ سے درست ہیں۔

## درایت

یہ روایت بھی سیدنا عمر کا اثر ہے۔ عمال کے نام ان کے خط میں اور اس میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے قرآن و سنت کے ساتھ اس کے تعلق کی وضاحت پچھلی روایت کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

## دیگر طرق

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ ظہر سورج کے آسمان کے وسط سے نیچے آنے پر پڑھو، اور عصر اس وقت پڑھو، جب سورج نیچے آجائے، لیکن وہ سفید روشن ہو۔ مغرب سورج کے ڈوبنے پر پڑھو، اور عشاء شفق کے غائب ہونے سے لے کر جتنی تاخیر سے چاہے پڑھو، کہا جاتا تھا: ”آدھی رات تک عشاء کو پانے کا وقت

عن ابی العالیۃ الریاحی ان عمر بن الخطاب کتب الی ابی موسی : ان صل الظهر اذا زالت الشمس عن بطن السماء وصل العصر اذا تصوبت الشمس وھی بیضاء نقیة وصل المغرب اذا وجبت الشمس وصل العشاء اذا غاب الشفق

الی حین شئت فکان یقال: الی نصف  
اللیل درک وما بعد ذلك افراط . وصل  
الصبح والنجوم بادية مشتبكة واطل  
القراءة واعلم ان جمعا بين الصلاتين من  
غير عذر من الكبائر .

ہے، اس کے بعد پڑھنا تو نماز کو چھوڑنا ہے۔“۔ فجر اس  
وقت پڑھو جب ستارے روشن اور گھنے ہوں، اور اس میں  
قرأت لمبی کیا کرو۔ اور یاد رکھو نمازوں کو بلا عذر جمع کرنا  
کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔“

(مصنف عبدالرزاق، رقم ۲۰۳۵)

مصنف عبدالرزاق کی اس روایت میں وقت عصر کے لیے 'تصوبت الشمس' کے الفاظ آئے ہیں۔ جو اس  
بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ وہ وقت مراد ہے جب سورج نیچے آجاتا ہے۔ یہ وہی وقت ہے جسے ہم نے اس  
باب کی پہلی روایت کے تحت سورج کے مرای العین پر آنے کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جب سورج اتنا نیچے  
آجائے کہ ہم سر اٹھائے بغیر اسے دیکھ سکیں۔

موطا کی ان دونوں روایتوں میں یہ فرق ہے کہ پہلی روایت میں تمام نمازوں کا ذکر ہے، جبکہ دوسرے خط میں  
صرف عصر اور عشا کا۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ سیدنا عمر کو معلوم ہوا ہو کہ عمال عصر اور عشا میں  
کچھ کوتاہی کر رہے ہیں تو انھوں نے ان دونوں نمازوں کے لیے الگ سے تنبیہ کے لیے ایک خط لکھا ہو۔ اسی طرح یہ  
بھی ممکن ہے کہ یہ ایک ہی خط ہو، مگر عروہ نے کسی موقع پر صرف عصر اور عشا والے حصہ ہی کو بیان کیا ہو اور باقی حصہ کو  
ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بیان نہ کیا ہو وغیرہ۔

احادیث باب پر نظر

اس اثر میں عشا کی تاخیر کا مشورہ دیا گیا ہے۔ آگے ابو ہریرہ کی جو روایت آرہی ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ عشا  
کے ایک تہائی رات تک موخر کرنے کے عمل کو ایسا عموم حاصل تھا کہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں اس وقت کی عشا کا  
نام 'عتمۃ' الگ سے پڑ گیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشا میں تاخیر ایک عمومی عمل تھا جو اس بات کی طرف اشارہ  
ہے کہ یہ تاخیر پسندیدہ ہے۔

یہاں بظاہر سبقت الی الخیر کے اصول کے خلاف نماز کی تاخیر کو پسند کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ایسا نہیں  
ہے۔ امامت جبریل والی روایت میں پسندیدہ وقت میں آخری وقت ایک تہائی رات ہی بتایا گیا ہے۔ اس لیے اس  
وقت تک تاخیر پسندیدہ اوقات کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں، البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے پسندیدہ وقت کے آخر

تک کیوں موخر کیا گیا ہے؟

ہم امامت جبریل والی روایت (رقم ۱) میں یہ بات لکھ آئے ہیں کہ کسی چیز کی فضیلت و انتخاب شارع کے کسی فرمان سے بھی نکلتی ہے، جیسے جمعہ کے دن کی فضیلت، یا حج کے لیے ذوالحج کا انتخاب اور کبھی یہ فضیلت شارع کے کسی بیان کردہ اصول سے اور کبھی ہمارے عقلی و فطری مسلمات سے نکلتی ہے۔ جیسے ہم نے تعجیل کے اصول کو دیکھا کہ نماز کا وقت ہوتے ہی اسے ادا کرنا افضل عمل ہوگا۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ فجر میں عامۃ الناس کی رعایت سے تغلیس کی فضیلت کو نباتے ہوئے اسے اسفار کے قریب لے جایا گیا۔ اسی طرح عشا میں کچھ اور حکمتوں کے تحت پسندیدہ وقت کے اختتام تک اس کی تاخیر کو پسند کیا گیا ہے۔

ان حکمتوں میں سے ایک کی طرف اشارہ سیدنا عمر کے اس قول سے مل رہا ہے کہ اسے سونے تک موخر کرو۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عشا کی نماز بندہ مؤمن کا آخری عمل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد گپ شپ اور بات چیت کو پسند نہیں فرمایا:

عن ابی ہریرۃ الاسلمی... و کان یستحب ان یؤخر العشاء التی تدعونہا العتمۃ و کان یکرہ النوم قبلہا والحديث بعدہا... (بخاری، رقم ۵۲۲)

”ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ نے کہا... نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے کہ نماز عشا کو موخر کر کے پڑھیں، جسے تم ’العتمة‘ (تہائی رات والی نماز) کہتے ہو۔ آپ کو اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا، نا پسند تھا...“

اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز اگر آدمی کا آخری عمل ہو اور پھر صبح اٹھ کر وہ فجر کی نماز میں شامل ہوا ہو تو اس کی ساری رات گویا نماز میں گزری، اس لیے کہ سونے سے اس کا عمل منقطع ہو گیا تھا۔ اس انقطاع سے پہلے بھی وہ نماز میں تھا اور اس کے بعد بھی۔ اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من صلی العشاء فی جماعة فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعة فکانما صلی اللیل کلہ. (مسلم، رقم ۶۵۶)

”سیدنا عثمان سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جماعت کے ساتھ عشا پڑھی تو وہ یوں سمجھو کہ آدھی رات قیام میں رہا، اور پھر اس نے اگر صبح بھی جماعت کے ساتھ ادا کی تو وہ گویا پوری رات قیام میں رہا۔“

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز اتنی موخر کی کہ آدھی رات کے قریب وقت آ گیا، پھر آپ نکلے اور نماز پڑھائی اور اس وقت کی نماز کی فضیلت بتائی۔ اس فضیلت کے جو مختلف پہلو کچھ روایتوں میں آئے ہیں، ان

میں سے ایک انتظار ہے۔ یعنی جب ایک نمازی عشا سے پہلے نہ سوئے اور صرف اس لیے جاگتا رہے کہ وہ عشا موخر کر کے پڑھے گا تو آپ نے فرمایا کہ وہ جتنی دیر تک انتظار میں رہا حالت نماز میں رہا۔ (بخاری، رقم ۵۷۵) اسی طرح آپ نے فرمایا کہ تاخیر کر کے نماز پڑھنا اس وقت نماز پڑھنا ہے، جب دوسری ملتوں کے لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ (بخاری، رقم ۵۴۶) تیسرا پہلو یہ بیان فرمایا کہ پہلی امتوں نے بھی عشا کے لیے اتنا انتظار نہیں کیا تمہیں اس پہلو سے یہ فضیلت حاصل ہے۔ (مسند احمد، رقم ۲۲۱۱۹)

یہ وہ پہلو ہیں جن کی وجہ سے عشا کی تاخیر پسندیدہ ہے۔ میرے خیال میں ان ساری فضیلتوں کا خلاصہ یہ ہے: قدیم معاشرت ہو یا جدید، رات کا ابتدائی وقت فراغت اور گپ شپ کا وقت ہے۔ عرب اس وقت میں رات کی مجلسیں سجاتے، قصے کہانیاں اور قصیدے سناتے۔ دین کو ان تفریحات سے دشمنی نہیں ہے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس لہو و لعب کے بعد خدا کی طرف لوٹے۔ چنانچہ یہ بات پسندیدہ نہیں ہوگی کہ آدمی عشا کے ہوتے ہی فٹ نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے اور پھر گپ شپ اور ادھر ادھر کی چیزوں میں جاگ کر وقت گزارے۔ یہ نماز سے جان چھڑانے کا سارویہ محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ پسندیدہ یہ ہے کہ وہ سب امور سے فارغ ہو کر تسلی سے عشا ادا کرے، اور اس کے لیے انتظار کرے، تاکہ اس نماز میں تعجیل عجلت بن کر نہ رہ جائے۔

آپ نے عشا کے ساتھ دو امور کا اہتمام کیا، ایک تو یہ کہ اسے ایک تہائی رات تک موخر کیا۔ یہ انبیاء کے پسندیدہ اوقات میں سے عشا کا آخری وقت ہے۔ اس سے زیادتاخیر صرف دو مواقع پر ہوئی۔ ان مواقع پر عشا نصف لیل سے ذرا پہلے ادا کی گئی۔

دوسرے آپ جب نماز موخر کرتے تو اس میں تخفیف کرتے، یعنی قیام وغیرہ زیادہ لمبا نہ کرتے۔ اس لیے کہ نماز کے انتظار میں جاگنے والوں کے لیے یہ اکتاہٹ کا باعث نہ بنے:

عن جابر بن سمرة قال: كان رسول الله  
صلى الله عليه وسلم يصلي الصلوات  
نحو ما من صلاتكم وكان يؤخر العتمة  
بعد صلاتكم شيئا وكان يخفف الصلاة.  
”جابر بن سمرة کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ساری نمازیں ویسی ہی پڑھتے جیسی تم لوگ پڑھتے ہو، مگر  
عشا کو وہ تمہاری نماز سے ذرا زیادہ تہائی رات تک موخر  
کرتے، اور وہ ذرا اس میں تخفیف کرتے۔“  
(مسلم، رقم ۶۴۳)

دونوں خطوط میں عصر پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ اس کے وقت کو بیان کرنے میں نہایت تفصیل کی گئی ہے۔

جیسے پہلی روایت میں دیکھیں تو الفاظ یہ ہیں:

”جب سورج ابھی سفید روشن ہو، زرد نہ ہوا ہو۔“

دوسری روایت کو دیکھیں تو الفاظ میں مزید تاکید ہے:

”جب ابھی سورج روشن ہو اور زرد نہ ہوا ہو، (غروب سے) اتنا پہلے کہ ایک مسافر تین فرسخ فاصلہ طے کر سکے۔“

ان الفاظ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ عصر کی تعجیل پر کچھ زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ قدیم معاشرت میں عصر کا وقت کاموں کے نبٹانے اور سمیٹنے کا وقت ہوتا تھا۔ اس لیے یہ امکان تھا کہ عمال یا تاجر وغیرہ اسے غروب کے وقت تک ٹال دیتے اور آخر وقت میں نماز ادا کرتے۔ یہی اندیشہ ہے جس وجہ سے حضرت عمر جماعت کی نماز کا وقت عمال کے ذریعے سے سورج کے سفید ہونے تک مقرر کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف وہ اس پر زور دے رہے تھے کہ اس کا اتنا خیال رکھو کہ عصر کے بعد آدمی تین فرسخ تک کا فاصلہ طے کر سکے۔ عصر کے بارے میں یہی ٹال مٹول ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

عن انس قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول تلك صلاة المنافق يحلس يرقب الشمس حتى اذا كانت بين قرني الشيطان قام فنقرها اربعاً لا يذكر الله فيها الا قليلاً. (مسلم، رقم ۶۱۲) ”حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا مجلس یرقب الشمس حتی اذا كانت بین قرنی الشیطان قام فنقرها اربعاً لا یدکر اللہ فیہا الا قلیلاً۔“

دوسرے پہلو سے دیکھیں تو یہ دکان داروں کے شدید مشغولیت میں پڑ کر نماز ضائع کر بیٹھنے کے مسئلہ کا حل بھی ہے کہ عصر کا وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لو، تاکہ بازار میں رش ہوتے ہوتے تم نماز پڑھ کر فارغ ہو چکو۔ اور پھر مغرب تک گاہکوں کے لیے اپنے کام پر موجود رہو۔